www.KitaboSunnat.com

از قلم : غازی عزیز قسط نمبر ۱

حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین پر تعاقب کا جواب

(ماہنامہ محدث کے دو قدیم شماروں[1] میں راقم الحروف کا ایک مضمون زیر عنوان "حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ الخ کی تحقیق" بالاقساط شائع ہوا تھا۔ مضمون ہذا پر عصر حاضر کے ایک فاضل محقق محترم جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) حفظہ اللہ نے حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ (کے اسانید) کی تحقیق" کے عنوان کے تحت تعاقب فرمایا ہے جو ماہنامہ "محدث" لاہور کے تازہ شمارہ[2] میں شائع ہوا ہے۔ ذیل میں آں محترم کے اس تعاقب کے بعض پہلو جو قابل جواب یا وضاحت طلب محسوس ہوئے ہیں انہیں ترتیب سے پیش کر رہا ہوں)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ فاضل تعاقب نگار محترمی ڈاکٹر صاحب نے تعاقب کا عنوان اس طرح مقرر فرمایا ہے : "حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ (کے اسانید) کی تحقیق" مگر پورے تعاقب کو پڑھ کر راقم کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ پورے تعاقب میں حدیث مذکورہ کی اسانید کی تحقیق تو کجا سرے سے کہیں ان کا تذکرہ تک موجود نہیں ہے اور نہ ہی آں محترم نے راقم الحروف کے سابقہ مضمون کی کسی عبارت یا روایت پر کوئی نقد و جرح یا بحث کی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آں محترم نے اپنے تعاقب کی پوری عمارت چند شبہات احتمالات اور مفروضوں کی بنیاد پر کھڑی کی ہے۔ اور انہیں اسانید کی تحقیق سے معنون کیا ہے۔ اس کی وضاحت انشاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔ کاش محترم ڈاکٹر صاحب زیر مطالعہ حدیث پر کوئی ٹھوس علمی بحث پیش فرماتے یا ان نقائص کی نشاندہی فرماتے۔ جو آں محترم نے راقم الحروف کے سابقہ مضمون میں محسوس فرمائیں۔

---

[1] ماہنامہ محدث لاہور جلد ۱۸، عدد شمارہ ۱۰-۱۲ بمطابق شوال تا ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ۔

[2] ایضاً، جلد نمبر ۱۹، عدد شمارہ نمبر ۱-۲۔ بمطابق محرم و صفر ۱۴۰۹ھ ص ۹۰-۹۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی الحال مختصراً یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فنِ حدیث میں "سند" اور "اسناد" کی اصطلاح سے عموماً محدثین کی مراد کیا ہوتی ہے۔ تاکہ یہ احتمال باقی نہ رہے کہ فاضل ڈاکٹر صاحب نے اپنے تعاقب میں جن چند شبہات و قرائن کو بیان فرمایا ہے یا جن کی بنیاد پر اس حدیث کی تصحیح فرمانا ان کا مقصود ہے۔ ان پر حدیث کی اصطلاح "اسناد" کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ بدر ابن جماعہؒ اور علامہ طیبیؒ کا قول ہے "طریق المتن کی خبر کو سند کہتے ہیں[۳]"

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ابن جماعہؒ سے نقل فرماتے ہیں: طریق المتن کی اخبار کا نام سند اس لیے ہے کہ حفاظِ حدیث کسی حدیث کی صحت اور ضعف کے لیے اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ کسی حدیث کا اس کا قائل کی طرف رفع ہونا اسناد ہے۔ طیبیؒ کا قول ہے: معنوی اعتبار سے یہ دونوں اصطلاحیں آپس میں متقارب ہیں یعنی صحتِ حدیث اور اس کے ضعف کے لیے حفاظ کا ان پر اعتماد کرنا۔ ابن جماعہؒ فرماتے ہیں: محدثین سند اور اسناد ایک ہی چیز کے لیے استعمال کرتے ہیں[۴]"

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر" کے ایک مقام پر "طُرق روایت" کو ہی "اسانید[۵]" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ پھر تھوڑا آگے چل کر "اسناد" کی تعریف میں فرماتے ہیں: "ھُوَ الطَّرِیْقُ الْمُوْصِلَۃُ اِلَی الْمَتْنِ[۶]"

شیخ مصطفےٰ امین فرماتے ہیں: "محدثین کے نزدیک متن کے لیے موصولہ طریق کی معرفت سند کہلاتی ہے۔ یعنی حدیث بیان کرنے والے راویوں کا طُرق ...... اور اسناد کی تعریف طریق المتن کی حکایت ہے[۷]"

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں: "سند وہ سلسلۂ رواۃ ہے کہ جن کے طریقہ سے کوئی حدیث پہنچتی ہے[۸]"

مولانا عبدالرحمٰن عبیداللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: "طریق المتن کی حکایت کو اسناد کہتے ہیں۔ اس سے مراد رفعِ حدیث اور قائل کی طرف اس کی نسبت کرنا ہے۔

---

[۳] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۴۱ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت سنہ ۱۹۷۹ء [۴] ایضاً ص ۴۲-۴۱ وکذا فی قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۲۰۲، [۵] متن نخبۃ الفکر لابن حجرؒ مع سبل السلام ج ۴ ص ۲۲۸ طبع دار احیاء التراث العربی۔ بیروت سنہ ۱۹۶۰ء۔ [۶] ایضاً جلد ۴ ص ۲۳۰ [۷] محاضرات فی علوم الحدیث للشیخ مصطفےٰ امین، جلد ۱ ص ۱۷ طبع سوم مطبع دار التالیف بالمالیۃ مصر [۸] مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عزالدین بلیق ص ۵۲ طبع دار الفتح بیروت سنہ ۱۹۷۸ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سند اصطلاحاً متنِ حدیث تک پہنچنے کا طریق ہے یعنی ان رجال کا سلسلہ جو متن تک پہنچتے ہوں۔ اس کا نام سند اس لیے رکھا گیا ہے کہ محدث کسی حدیث کی صحت اور ضعف کے لیے اس سلسلہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ پس سند کا معنی رواۃ الحدیث اور اسناد کا معنی نقل الرواۃ ہے اور اسناد کا اطلاق سند پر بھی ہوتا ہے۔ الخ[9]

دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں "سند" کو "البرہان علی صحۃ الروایۃ" بتایا گیا ہے[10]

اصطلاحات "سند" "اسناد" کی مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں محترم ڈاکٹر صاحب کے پورے تعاقب کو پڑھ ڈالیے اور بتایئے کہ آں محترم نے کس طریق المتن کی حکایت وخبر یا کس طریق موصلہ الی المتن یا کس سلسلۂ رواۃ کی تحقیق فرمائی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس عنوان اور تعاقب کے مندرجات میں کس درجہ مطابقت پائی جاتی ہے؟

"عنوان" پر تبصرہ کے بعد اب ہم محترم ڈاکٹر صاحب کے تعاقب کی طرف توجہ کرتے ہیں تعاقب شروع کرتے ہوئے آں محترم فرماتے ہیں

"مذکورہ مقالے کا لب لباب یہ ہے کہ اس حدیث کے اسانید میں بعض راوی ناقابلِ اعتبار ہیں اس لیے یہ حدیث قابلِ رد ہے"[11]

اس سلسلہ میں فقط یہ عرض کرنا ہے کہ صحتِ حدیث کو پرکھنے کا یہ معیار کوئی نیا، انوکھا اور راقم الحروف کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اولین فقہائے حدیث ومحققین کے دور سے رائج ہے۔ مشہور کلیہ ہے کہ "کسی حدیث کی تصحیح کا دارومدار تصحیح حدیث کے اوصافِ مقتضیہ کے وجود مثلاً رواۃ کی عدالت، ضبط و اتقان، اتصالِ سند اور علل و شذوذ سے اس کی سلامتی وغیرہ پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اگر کسی روایت کے تمام رواۃ ضبط وعدالت اور دوسری تمام صفات کے عالی مقام پر فائز ہوں تو وہ روایت عندالمحدثین اصح کہلاتی ہے"[12]

---

[9] تحفہ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر للشیخ عبدالرحمٰن ص۲۶ طبع مکتبہ رحمانیہ اعظم گڑھ ۱۹۸۲ء

[10] دائرۃ المعارف الاسلامیہ (عربی) ج ۷ ص ۳۳۱، [11] ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱-۲ ص ۹۰

[12] حاشیہ بر مقدمہ تحفۃ الاحوذی لابی العلی المبارکفوری ص ۱۶۰ طبع نشر السنۃ، ملتان (بتصرف یسیر)

[13] ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱-۲ ص ۹۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدثین کے اِسی متفقہ اصول کے پیشِ نظر راقم نے سابقہ مضمون کی تحقیق کے دوران یہ کوشش کی تھی کہ رواۃ کی عدالت، ضبط، اتقان، اتصالِ سند اور دیگر علل کی پوری چھان بین کی جائے تاکہ قطعی طور پر ان روایات پر کوئی حکم لگایا جا سکے۔

تیسرا معروضہ محترم ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت:

"علم جرح و تعدیل مسلمانوں کی ایک قابلِ فخر اور بے مثل ایجاد ہے اور اسی کے ذریعہ سے صحیح واقعہ اور من گھڑت افسانے میں امتیاز ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس علم کی کتابوں کے قابلِ احترام مؤلفوں نے کبھی معصومیت کا ادعاء نہیں فرمایا۔ وہ اپنی رائے اور تاثر کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں کسی شخص کے متعلق بعض وقت اختلافِ رائے بھی ہوتا ہے، اس سے تلخ تجربے بھی ہوتے ہیں الخ"[۱۳]

کی وضاحت میں ہے کہ بلاشبہ کتب علم جرح و تعدیل کے قابلِ احترام مؤلفوں نے نہ کبھی معصومیت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ ہی ان کی کتب میں فقط ان جارحین و معدلین کی اپنی شخصی "رائے اور تاثر" کا ذکر موجود ہے بلکہ تمام اصحاب نظر جانتے ہیں کہ جرح و تعدیل کی اصل بنیاد امورِ محسوسہ یعنی مشاہدات و سموعات پر ہے۔ ان مشاہدات و سموعات کی روشنی ہی میں جارحین و معدلین کسی راوی کے متعلق کسی عصبیت، حقد و محابات اور لومہ لائم کے خوف کے بغیر غایت درجہ ورع و امانت کے ساتھ اپنا فیصلہ اور حکم صادر کرتے ہیں۔ اتصالِ سند، توثیق الرواۃ، ان کا ضابط القلب اور جید الحافظہ ہونا، راوی و مروی عنہ کی معاصرت اور آپس میں ان کی لقاء و سماع وغیرہ کی تحقیق محض جارحین و معدلین کی شخصی رائے اور تاثر کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ نیز رواۃ کی نسبت ان جارحین و معدلین نے جو کچھ ثقہ، ثبت، صدوق، شیخ، حافظ، ضابط، عادل، جید الحدیث، حسن الحدیث، صدوق لہ اوہام، مقارب الحدیث، صالح الحدیث، لا بأس بہ، مأمون، خیار، متقن، حجۃ، مضطرب الحدیث، سیئ الحفظ، واہم، مجہول، مستور، لا یعرف، ساقط، واہ، ہالک، لا یساوی شیئاً، لا یساوی فلساً، ضعفوہ، ترکوہ، متساہل، لیس بشیئ، منکر الحدیث، کذاب، دجال

[۱۳] ماہنامہ محدث جلد ۱۹، عدد ۱-۲ صفحہ ۹۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکن الکذب، متروک، وضاع، ذاھب الحدیث، سارق الحدیث، لیس بثقۃ، لایحتج بہ، لیس بحجۃ، لیس بذاک، فیہ مقال وغیرہ الفاظ جرح وتعدیل درج کئے ہیں۔ ان تمام کی بنیاد حس، تجربات، مسموعات اور مشاہدات پر ہے نہ کہ محض شخصی رائے، ذاتی تاثر یا قیاس وتخمین اور ظن وغیرہ پر۔

معترض محترم ڈاکٹر صاحب کے اقوال،

"اور ان میں کسی شخص کے متعلق بعض وقت اختلاف رائے بھی ہوتا ہے،

اس سے تلخ تجربے بھی ہوتے ہیں۔"

کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کے درمیان بعض اوقات جو اختلاف رائے نظر آتا ہے وہ صرف "شخصی رائے اور تاثر" یا قیاس واجتہاد کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی راوی کے حالات میں تبدیلی واقع ہونے، کبھی راوی کے احوال کی معرفت کے ذرائع مختلف ہونے اور کبھی جارحین ومعدلین کی شرائط ومعیار جدا ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی ایک امام نے جب کسی راوی کے متعلق معلومات جمع کیں تو وہ راوی اپنی سابقہ حالت بدل چکا تھا لہٰذا اس امام نے اس پر جرح کر ڈالی۔ مثلاً پہلے کوئی راوی قوی حافظہ اور ضبط کا مالک تھا لیکن بیماری یا کبر سنی یا کسی حادثہ کے باعث بعد میں اس کا حافظہ کمزور ہوگیا۔ اختلاف رائے کی دوسری وجہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ کسی امام کو کسی راوی کا مفصل حال معلوم نہ ہوسکا۔ جہاں تک معلوم ہوا اس میں کوئی امر قادح نہ تھا۔ لہٰذا اس نے اس راوی کی تعدیل درج کی مگر کسی دوسرے امام نے جب اس کے متعلق دوسرے ذرائع سے معلومات جمع کیں اور اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس راوی میں کچھ قابل جرح باتیں پائیں۔ پس آخر الذکر امام نے اس پر جرح درج کی۔ اختلاف رائے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی امام کے تساہل تسامح، معتدل اور متشدد ہونے کی بنا پر بھی کسی ایک راوی کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام عجلیؒ اور ابن حبانؒ توثیق المجہولین کے معاملہ میں بہت زیادہ متساہل[1]، امام ترمذیؒ اور حاکمؒ متسامح، امام احمدؒ، دارقطنی اور ابن عدی معتدل اور ابوحاتم

[1] تفصیل کے لئے التنکیل بما فی تانیب الکوثری للشیخ عبدالرحمٰن معلمی الیمانی ج ۱ ص ۶۶، باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرازیؒ وغیرہ انتہائی متشدد اور محتاط رویہ کے لیے مشہور ہیں[۱۵]۔ یہ تساہل، تسامح، اعتدال اور تشدد ان جارحین و معدلین کے اپنے اپنے معیار و شرائط جدا ہونے کے سبب ہے۔ لیکن آئمہ جرح و تعدیل کے ان اختلافات یا تعارض کو رفع کرنے کے لیے محدثین کے پاس جرح مفسر و مبہم، تعدیل مفسر و مبہم اور اطلاع علی منہج الجارح و المعدل وغیرہ کے رہنما اصول موجود ہیں۔ جن سے ایسے تعارض کی حالت میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے کہ کن حالات میں اقوالِ جرح کو ترجیح دی جائے اور کب اقوالِ تعدیل کو۔ مزید تفصیلات کے لیے الخلاصۃ فی اصول الحدیث للطیبیؒ، دائرۃ المعارف ترتیب محمد فرید وجدی، تدریب الراوی للسیوطیؒ، مختصر فی علم رجال الاثر از عبدالوہاب عبد اللطیفؒ، قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکیؒ، التقیید والایضاح للعراقیؒ، قواعد التحدیث از محمد جمال الدین قاسمیؒ اور رفع التکمیل فی الجرح والتعدیل از عبدالحیی لکھنویؒ وغیرہ[۱۶] کی مراجعت مفید ہوگی۔

آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کی تفسیر اور ان کے مابین تعارض کو رفع کرنے کے لیے جو اصول وضع کئے گئے ہیں ان کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان اختلافات سے صرف وہی شخص گھبرا سکتا ہے یا اسی کو تلخ تجربات کا سامنا ہو سکتا ہے جسے حدیث، اصولِ حدیث اور علم الروایۃ وغیرہ سے بہت سطحی شُدبُد ہو۔ خدا ہی

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) تعلیق الشیخ الیمانیؒ علی الفوائد المجموعۃ ص ۱۰۷، ۴۸۵، مقالات الکوثریؒ ص ۶۵، ۳۰۹، لسان المیزان لابن حجرؒ ج ۱ ص ۱۶، مقدمہ کتاب الثقات لابن حبانؒ ج ۱ ص ۱۳، الانوار الکاشفۃ للیمانی ص ۶۸، جرح و تعدیل لابو لبابہ حسین ص ۱۶۹، رسالۃ المستطرفۃ للکتانی ص ۱۱۲، رد علی التعقیب الحثیث ص ۱۸-۲۱، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ للالبانی ج ۱ ص ۳۲، ۳۳ اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ج ۲ ص ۱۸۲، ۲۱۹ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں [۱۵] تفصیل کے لیے اعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ مع علم التاریخ عند المسلمین ص ۱۶۷، ۲۱۰ اور فتح المغیث للسخاویؒ ج ۳ ص ۳۲۵ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں [۱۶] الخلاصۃ فی اصول الحدیث للطیبیؒ ص ۵۵، دائرۃ المعارف ترتیب محمد فرید وجدی ج ۳ ص ۳۷۵، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۰۵-۳۱۵، مختصر فی علم رجال الاثر للشیخ عبدالوہابؒ ص ۵۲، قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکیؒ ص ۴۵، التقیید والایضاح للعراقیؒ ص ۱۳۸، قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۸۸-۱۹۰، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکنویؒ ص ۹۹۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے محترم ڈاکٹر صاحب کو "محترم سیرت نگارِ نبوی ابن اسحاق کے متعلق" کیسا تلخ تجربہ" پیش آچکا ہے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ قطعی درست ہے کہ علم جرح وتعدیل کسی حدیث کی صحت کو جاننے کے متعدد وسائل میں سے "ایک" مگر انتہائی اہم اور بنیادی وسیلہ ہے،" واحد وسیلہ نہیں" ہے۔

چوتھی بات محترم ڈاکٹر صاحب سے ان جملوں کے متعلق یہ عرض کرنی ہے:

"مذکورہ عنوان پیاری حدیث کی اگر ساری معلوم روائتیں ایک ہی صحابی سے منسوب ملتیں اور وہ ساری کی ساری ایک ہی ناکارہ راوی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہوتیں تو بات الگ ہوتی لیکن زیر بحث حدیث ایک نہیں کم از کم چھ سات صحابیوں سے مروی ہے۔ گویا عام حالتوں میں اسے حدیث صحیح ہی نہیں حدیث متواتر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اسانید کے مطعون راویوں کے متعلق جرح یا اعتراض کے درجات میں تفاوت بھی ہے، یوں بھی جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فی صد جھوٹ نہیں بولتا۔ کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں۔ لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو میں سچ بھی بولتا رہا ہوں الخ"[۱]

یہ سچ ہے کہ زیر بحث عنوان کے تحت وارد ہونے والی روایت کا معنی ومفہوم بظاہر بہت دلکش (بلکہ محترم ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں "پیاری حدیث") اور قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے اور اس کی تمام معلوم روائتیں بھی کسی ایک صحابی سے منسوب نہیں بلکہ سات مختلف صحابیوں (حضرت انس بن مالکؓ، ابن عمرؓ، علیؓ، جابرؓ، ابن مسعودؓ، ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم) سے مروی ہیں جن میں سے نصف طرق روایات حضرت انس بن مالکؓ سے، چار طرق حضرت ابن عمرؓ سے، تین طرق حضرت علیؓ سے اور ایک ایک طریق حضرات ابن مسعود، جابرؓ، ابن عباس اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے منسوب ہیں۔ پھر یہ ساری کی ساری روایات ہم تک کسی ایک ہی ناکارہ راوی کے توسط سے نہیں پہنچی ہیں بلکہ اکثر طرق میں الگ الگ مجروح رواۃ موجود ہیں اور ان پر جرح کے درجات میں تفاوت

[۱] ماہنامہ محدث ج ۱۹، عدد ۱-۲ صفحہ ۹۰-۹۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہے لیکن کسی حدیث کا متعدد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا یا متعدد رواۃ کے توسط سے یا بکثرتِ طرق ہم تک پہنچنا اس حدیث کی صحت کا معیار نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی حدیث صرف ایک صحابی سے مروی ہو مگر صحت کے معیار پر پوری اترتی ہو تو محض صحابی کے تفرد کی بناء پر اس حدیث کی صحت متاثر نہ ہوگی [۱۸]۔ اسی طرح کسی ناقابلِ احتجاج حدیث کی نسبت کئی صحابہ کی جانب کر دینے سے وہ صحیح نہیں بن جاتی۔ قدیم اصولیین و محدثین میں سے غالباً کوئی بھی محترم ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ صحت حدیث کے اس انوکھے معیار سے واقف نہ ہوگا۔

اس حدیث کے متواتر نہ ہونے کی بحث تو انشاء اللہ آگے پیش کی جائے گی۔ فی الحال یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حدیث صحیح اور متواتر تو کجا، حسن کے درجہ تک بھی نہیں پہنچتی اگرچہ محترم ڈاکٹر صاحب عام حالات میں اس کے صحیح ہی نہیں بلکہ متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ شاید ڈاکٹر صاحب محترم نے اس سلسلہ میں محمد بن جعفر الکتانی اور جلال الدین سیوطیؒ کے اقوال پر تکیہ کیا ہے۔ شیخ محمد بن جعفر الکتانیؒ نے "نظم المتناثر من الحدیث المتواتر" میں اس حدیث کو کثرتِ طرق کی بناء پر "متواتر" شمار کیا ہے [۱۹]۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"حافظ مزیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کی روایت امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اس کو آں رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری دو حدیثوں کے ساتھ مشافہۃً سنا تھا اور ان سب کے طرق حسن کے رتبہ کو پہنچتے ہیں۔ میں (یعنی سیوطیؒ) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ صحیح کے رتبہ کو پہنچتی ہے۔ کیونکہ میں اس کے تقریباً پچاس طرق سے واقف ہوں۔ جنہیں میں نے ایک علیحدہ جزء میں جمع کر دیا ہے" [۲۰]۔

مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

۱۸؎ تفصیل کیلئے اعلام الموقعین لابن قیمؒ ص ۱۶۱، قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۹۹، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۶۷ اور مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عز الدین بلیق ص ۴۳ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں ۱۹؎ نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص ۲۷ ۲۰؎ تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃؒ للسیوطیؒ ص ۶۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فی الجملہ اس حدیث کی اسانید بہت زیادہ ہیں ۔ حتیٰ کہ حافظ سیوطیؒ نے اس کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے"[۲۱]

شیخ احمد الغماری حنفی مرحوم نے بھی اپنی کتاب "اتحاف ذوی الفضائل المشتہرۃ" اور "المسیم بطرق حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" میں اس حدیث کے جملہ طرق کے مجموعہ کو رتبہ صحیح لغیرہ تک پہنچایا ہے[۲۲]

لیکن حق بات یہ ہے کہ کتانیؒ کا اس کو "متواتر" بیان کرنا یا سیوطیؒ، غماریؒ، لکھنوی اور ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا اس کو "صحیح" کے رتبہ تک رفع کرنا محض کثرتِ طرق کی بنیاد پر ہے، کسی صحیح اور قابلِ احتجاج طریق کی بناء پر نہیں ہے۔ بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث متعدد حسن لذاتہ طرق کے ساتھ وارد ہو تو اس کا ہر طریق دوسرے طریق کے لیے تقویت کا باعث ہوتا ہے اور ان سب کا مجموعہ اس قوت کی بناء پر درجہ حسن سے ترقی کر کے صحیح کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے مگر وہ حدیث عین صحیح نہیں بن جاتی[۲۳] اسی طرح بعض علماء فرماتے ہیں اگر کوئی ضعیف حدیث متعدد طرق سے وارد ہو تو ان کا مجموعہ بوجہ اعتضاد ضعف کے درجہ سے ترقی کر کے حسن کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے[۲۴] لیکن یہ کوئی متفقہ کلیہ نہیں بلکہ محلِ نزاع ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے اپنے زیرِ ترتیب مضمون بعنوان "ضعیف حدیث اور اس کی شرعی حیثیت" میں درج کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اصل مطبوعہ مضمون میں پیش کیے گئے ستائیس ۲۷ طرق میں سے ایک طریق بھی درجۂ "حسن" کو نہیں پہنچتا، لہٰذا اعتضادِ طرق کے سبب اس کو "صحیح لغیرہ" کے رتبہ تک رفع کرنا خارج از امکان ہوا۔ اب اگر محترم ڈاکٹر صاحب دعویٰ صحت و تواتر سے نیچے اتر کر اس کے تمام ضعیف طرق کے مجموعہ سے زیر مطالعہ حدیث کی صرف "تحسین" ہی فرمانا چاہیں تو وہ بھی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے بیشتر طُرق میں کذاب، متروک الحدیث، وضاع، منکر الحدیث اور مجہول رواۃ موجود ہیں۔ اگر اس کے کسی طریق میں ضعف کی

---

۲۱ ظفر الامانی للکنویؒ ص ۹۳ ۔ ۲۲ اتحاف ذوی الفضائل المشتہرۃ للغماریؒ ص ۴۰ تا ۵۳ ۔ ۲۳ کذا فی قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۰۲، ۱۰۳

۲۴ تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۵۰۔ فتح المغیث للسخاویؒ بحوالہ قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۱۰۹، ۱۱۰، مرقاۃ المفاتیح للقاریؒ بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ص ۵۵، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ المصابیح لابی الوزیر محدث دہلوی ج ۱ ص ۲۰ وغیرہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوعیت قریب متحمل ہوتی یا اس روایت کا کوئی صالح شاہد طریق موجود ہوتا تو بات بن سکتی تھی۔ لیکن ایسے شدید مجروح رواۃ والے خواہ کتنے ہی طرق کیوں نہ مل جائیں وہ ایک دوسرے کے لیے تقویت و اعتضاد کا باعث ہرگز نہیں بن سکتے بلکہ کسی بھی حدیث کے ضعف کو مزید مؤکد کرتے ہیں یا عام حالات میں ایسے طرق کا مجموعہ کسی حدیث کو "منکر" اور "لَا اَصْلَ لَہٗ" بنا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ قول : "لیکن زیر بحث حدیث ایک نہیں کم ازکم چھ سات صحابیوںؓ سے مروی ہے گویا عام حالتوں میں اُسے صحیح ہی نہیں حدیثِ متواتر کہا جاسکتا ہے"۔ بھی انتہائی قابلِ گرفت ہے کیونکہ کسی حدیث کا محض چھ، سات صحابیوں سے مروی یا منسوب ہونا اس کے "متواتر" ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو کسی حدیث کے متواتر ہونے کے لیے کوئی عدد معین ہی نہیں ہے۔ ——— بعض علماء نے چار، بعض نے پانچ، بعض نے کم ازکم دس، بعض نے چالیس، بعض نے ستر اور بعض نے اس سے بھی زیادہ رجال کی شرط بیان کی ہے[۲۵] لیکن علمائے تحقیق کے نزدیک کسی روایت کو "متواتر" کہنے کے لیے صرف ان اعداد پر اعتماد کرنے کے بجائے ان تمام شرائط پر پورا اترنا لازم ہے جو محدثین کرام نے اس سلسلے میں مقرر فرمائی ہیں۔ ذیل میں "متواتر" حدیث کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کی جاتی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں محترم ڈاکٹر صاحب کے قول کی صداقت کو پرکھا جاسکے۔

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں : "وہ روایت جسے جَمْعٌ عَنْ جَمْعٍ روایت کیا گیا ہو اور عقل کے نزدیک سب کا باتفاق جھوٹ بولنا محال ہو الخ"۔[۲۶]

شیخ عبدالرحمٰن عبید اللہ رحمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں :

"اصطلاحاً متواتر وہ روایت ہے جس کو ہم نے کثیر جماعت سے نقل کیا ہو اور عقل ان سب کا باتفاق جھوٹ بولنا اباء کرتی ہو۔ نیز ان کی خبر مشاہدات یا مسموعات میں سے کسی محسوس شئے سے متعلق ہو مثلاً یہ کہا جائے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[۲۵] تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۷۶-۱۷۸ [۲۶] مقدمہ منہاج الصالحین للشیخ عزالدین بلیق ص ۳۵ وکذا فی تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۲ ص ۱۷۶-۱۸۰۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ایسا فرماتے سنا۔ تواتر کی چار شرطیں ہیں۔ اوّل[۱] یہ کہ اس کو کثیر تعداد نے بلا حصر روایت کیا ہو، دوم[۲] یہ کہ ابتداء سے انتہا تک ہر طبقۂ سند کے رواۃ نے اس کو روایت کیا ہو، سوم[۳] یہ کہ عقل کے نزدیک ان تمام رواۃ کا کذب پر متفق ہونا محال ہو اور چہارم[۴] یہ کہ ان کی خبر باعتبارِ حس (مشاہدہ یا سماع) انتہائی مستند ہو۔"[۲۷]

اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "حدیث" متواتر" کی شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"رواۃ کی کثیر تعداد کہ عقل کے نزدیک ان سب کا کذب پر متفق ہونا محال ہو، اس کو ابتداء سے انتہاء تک (ہر طبقہ رواۃ نے) روایت کیا ہو، وہ حس کی انتہاء تک مستند ہو وغیرہ" الخ[۲۸]

اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا محترم ڈاکٹر صاحب کا مذکورہ بالا قول "تواتر" کی چاروں شرائط پر پورا اترتا ہے؟ اگر پہلی تین شرائط پر پورا اترنا تسلیم کر بھی لیا جائے تو چوتھی شرط یعنی خبر کا مستند ہونا بہرحال اس راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

جہاں تک زیرِ مطالعہ حدیث کے مختلف طرق میں موجود مجروح راویوں پر جرح کے درجات میں تفاوت ہونے کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ سابقہ مضمون کے بیان کردہ جملہ طرق میں پچاس سے زیادہ مجروح رواۃ موجود ہیں۔ جن میں سے اکثر یعنی بیس[۲۰] سے زیادہ رواۃ پر "کذب"، "وضاع"، "منکر الحدیث" اور "متروک الحدیث" جیسے سنگین حکم عائد کئے گئے ہیں، ان میں سے آٹھ رواۃ کو ائمہ جرح و تعدیل نے "مجہول" اور باقی کو "ضعیف"، "مطعون"، "لیس بشئ"، "لیس بثقۃ" اور "لیس بحجۃ" وغیرہ قرار دیا ہے۔ پھر رواۃ پر جرح کے مراتب میں تفاوت ہونا کسی حدیث کی صحت کی دلیل تو نہیں ہوتا۔

اب فاضل تعاقب نگار محترم ڈاکٹر صاحب کے اگلے قول:

۲۷؎ تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر للشیخ عبدالرحمٰن ص ۸

۲۸؎ متن نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر لابن حجرؒ مع سبل السلام ج ۲ ص ۲۲۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یوں بھی جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فی صد جھوٹ نہیں بولتا۔ کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو میں سچ بھی بولتا رہا ہوں۔"

— پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سو فی صد جھوٹ نہیں بولتا۔" لیکن محض اس خیال کی بنیاد پر کسی کذاب یا متہم بالکذب اور وضاع راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ محدثین اور اصولیین کے متفقہ فیصلہ اور اصولِ حدیث کے کلیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

حدیثِ نبوی میں عمداً جھوٹ بولنا اللہ کے دین میں ایک بڑی جسارت اور تمام انسانوں کے مصالح کے خلاف ہے۔ اس بناء پر تمام فقہائے حدیث نے اس معاملہ میں انتہائی شدت اختیار کی ہے حتیٰ کہ بعض نے ایسے شخص کو واجب القتل تک بتایا ہے۔ بعض محدثین نے کاذب کے تائب ہو جانے کے بعد بھی اس کی خبر کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو المظفر سمعانی المروزیؒ فرماتے ہیں:

"جو شخص کسی ایک خبر میں کذب بیانی کرے اس کی پچھلی تمام احادیث کو بھی ساقط کرنا واجب ہے۔" ۲۹؎

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"فاسق کے تائب ہونے کے بعد اس کی روایت قبول کی جاتی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کذب بیانی کرنے والے کی روایت توبہ کے بعد بھی قبول نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ، ابوبکر الحمیدی شیخ البخاریؒ اور ابوبکر الصیرفی الشافعیؒ کا قول ہے۔ صیرفیؒ فرماتے ہیں: جن رواۃ کی خبر کو ہم نے کذب کی بناء پر ساقط کیا ہے ہم ان کی توبہ کے بعد بھی ان کو قبول نہیں کرتے۔" الخ ۳۰؎

۲۹؎ التقیید والایضاح للعراقیؒ ص ۱۵۱، تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۳۳، الباعث الحثیث لابن کثیرؒ بتحقیق استاذ احمد شاکرؒ ص ۱۰۱

۳۰؎ التقریب للنوویؒ مع تدریب الراوی للسیوطیؒ ج ۱ ص ۳۲۹-۳۳۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ عزالدین بلیق فرماتے ہیں :

"اہل علم حضرات کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والوں سے کوئی حدیث نہ لی جائے"

امام ابن کثیرؒ بھی ان علماء کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں جن کے نزدیک : ۳۲ے

"اگر کوئی شخص حدیث نبوی میں عمداً جھوٹ بولے تو واجب القتل ہے"

ان ہی علمائے حدیث میں حضرت مُرہ ہمدانیؒ کا بھی شمار ہوتا ہے جنہوں نے حارث الاعور کی گردن قلم کرنے کے لیے ایک بار اپنی شمشیر میان سے باہر سونت لی تھی ۳۳ے

جہاں تک محترم ڈاکٹر صاحب کے اس قول :

"کراماً کاتبین ہی جانتے ہیں کہ پیدائش سے لے کر اب تک میں کتنی بار جھوٹ بول چکا ہوں لیکن جب جب اللہ نے توفیق دی تو سچ بھی بولتا رہا ہوں"

__کا تعلق ہے محترم ڈاکٹر صاحب! مجھے یہ کہنے کی جسارت پر معاف فرمائیں کہ شریعت مطہرہ ہم تک نہ آپ کے واسطہ سے پہنچی ہے اور نہ ہی آپ ہمارے لیے ذریعہ علم پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں کہ کبھی کبھار عمداً یا بالاکراہ جھوٹ اور بتوفیقِ الٰہی سچ بھی بولنے سے شریعت میں خلل اور پلیدگی واقع ہوتی ہو۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اپنے طریق اسناد کے ساتھ روایت کرنے کا شرف حاصل ہوتا۔ مجھ، آپ یا کسی اور کے برخلاف رواۃِ حدیث کے کذب کی نوعیت بہت سنگین ہوتی ہے۔ کہ ان کے ذریعہ ہی ہم تک علمِ حدیثِ نبوی پہنچا ہے۔ اگر ان کے کذب کی نوعیت کو ہم اپنے، آپ کے یا کسی اور شخص کے مساوی سمجھ لیں تو نتیجۃً ہمارا سارے کا سارا ذخیرۂ احادیث مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ جائے گا، پھر جو چیز مشکوک و مشتبہ ہو وہ یقینی علم کا ذریعہ کس طرح ہو سکتی ہے اور جو چیز غیر یقینی ہو وہ شریعت کیونکر ہو سکتی ہے، لہذا منطقی اعتبار سے انکار حدیث لازم آیا، نعوذ باللہ من ذلک۔

(جاری ہے)

۳۲ے باعث الحثیث لابن کثیرؒ بتحقیق احمد شاکرؒ ص۱۰۲ ۳۳ے مقدمہ صحیح مسلمؒ ج ۱، ص ۱۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ